مدارجِ انسانیت۔ شاہ ولی اللہ کے افکار کی روشنی میں

ابوسلمان شاہجہانپوری

اختلافات اور ان کی حقیقت

اس عالمِ رنگ و بو میں جدھر بھی نگاہ اٹھایئے اور جس چیز پر بھی نظر ڈالئے، نوعی اور خلقی اختلافات کا ایک عالم بپا نظر آئے گا۔ آپ ایک ہی نوع کے دو پودوں کو چھوڑیئے، ایک ہی پودے کے دو پھولوں اور چند پتیوں کو لیجئے، ہر پھول میں دوسرے سے اختلاف اور ہر پتی میں فرق نظر آئے گا۔ اس عالم کی تمام موجودات کا یہی حال ہے۔ آپ تمام چیزوں کو چھوڑ دیجئے اور صرف ایک وجودِ انسانی کو پیش نظر رکھئے اور اس کے تمام اعضائے جسمانی سے صرف نظر کر کے صرف چہرہ کو اپنے مکالمہ و مشاہدہ کا مرکز بنایئے آپ دیکھیں گے کہ چہرے پر مختلف اعضاء کی عددی یکسانیت کے باوجود رنگ و ساخت میں ہر چہرہ دوسرے سے مختلف و ممیز ہوگا۔ اختلاف الوان والسنہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں میں شمار کیا ہے۔ لیکن اس کی حقیقی اہمیت کو سمجھنا بھی اخص الخواص کا کام ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے علماء کے خطاب سے نوازا ہے۔ عامی ان اختلافات کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکتا۔ نہ ان حقائق و اسرار کا ادراک کر سکتا ہے۔ سورۂ روم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"اور حکمت الٰہی کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی آسمانوں اور زمین کی خلقت ہے اور طرح طرح کی بولیوں اور رنگوں کا پیدا ہونا فی الحقیقت اس میں بڑی ہی نشانیاں ہیں ارباب علم و حکمت کے لئے۔"

اور اسی طرح سورۂ فاطر میں فرمایا:-

"اور اس طرح پہاڑوں میں مختلف رنگوں کے طبقات پیدا کئے۔ کوئی سفید کوئی لال، کوئی کالے کالے سیاہ ہیں اور اسی طرح آدمیوں، جانوروں، چارپایوں کی رنگتیں بھی کئی کئی طرح کی ہیں۔ (جن میں اللہ نے بڑی حکمتیں

رکھی ہیں) اللہ کا خوف انہی دلوں میں پیدا ہو سکتا ہے، جنہوں نے کائنات کے ان اسرار و حقائق کا مطالعہ کیا ہے اور اس کے علم و حکمت سے بہرہ افروز ہیں۔"

یہ مرتبہ تو اللہ کے خاص بندوں کا ہے اور اس کا خاص فیضانِ رحمت و بخشش ہی کائنات کے رازہائے سربستہ کا فہم بخشتا ہے۔ لیکن اگر سطحی مطالعہ و مشاہدہ بھی ہو تب بھی اس اختلاف میں غیر از حسن و دلفریبی کچھ نہیں پاتا۔

لیکن اس عالم رنگ و بو اور دنیائے محسوسات کے ساتھ ایک اور عالم بھی ہے اور وہاں بھی اختلاف و رنگا رنگی کی ایک عجیب و غریب دنیا آباد ہے، لیکن یہ اختلاف وضع و ساخت اور رنگ و روغن کا اختلاف نہیں، جسے ہم حواسِ خمسہ سے محسوس کر سکیں۔ یہ اختلاف احوال و مقامات اور مراتب انسانیہ کا اختلاف ہے جس کے مطالعہ و مشاہدے کے لئے بصارت چشم کے بجائے بصیرت قلب کی ضرورت ہوتی ہے۔

انسان کی گمراہی کا سر آغاز

انسان کی گمراہی کی داستان کا سر آغاز بھی یہی ہے کہ وہ اس عالم کے احوال و مراتب کو بھی اس میزان سے تولنا چاہتا ہے، جس سے عالم محسوسات میں کام لیتا ہے۔ اس نے سمجھ لیا ہے کہ احتیاجات زندگی میں مساوی الحیثیت ہونا یعنی اکل و شرب کے لئے مجبور ہونا اور سڑکوں اور بازاروں میں چلنا پھرنا وغیرہ احوال و مراتب انسانیہ میں یکساں اور مساوی ہونے کی دلیل ہے اور اس لئے وہ پکار اٹھتا ہے۔

"یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا اور پھرتا ہے بازاروں میں؟ کیوں نہ اترا اس کی طرف کوئی فرشتہ کہ رہتا اس کے ساتھ ڈرانے کو، یا آ پڑتا اس کے پاس خزانہ یا ہو جاتا اس کے لئے ایک باغ کہ کھایا کرتا اس میں سے۔" (۲۵-۷)

"یہ آدمی اس کے سوا کیا ہے کہ تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہے، مگر چاہتا ہے تم پر اپنی بڑائی جتائے اگر اللہ کو کوئی ایسی ہی بات منظور ہوتی تو کیا وہ فرشتہ نہ اتار دیتا (وہ ہماری ہی طرح کے ایک آدمی کو اپنا پیامبر کیوں بنانے لگا) ہم نے اپنے اگلے لوگوں سے تو کوئی ایسی بات کبھی سنی نہیں۔ کچھ نہیں یہ پاگل ہو گیا ہے۔ پس (اس کی باتوں پر دھیان نہ دھرو) کچھ دنوں تک انتظار کر کے دیکھ لو۔"

(۷۵- ۲۳، ۲۴)

یہ ان کی سخت غلطی تھی کہ جن پیمانوں سے وہ اپنی امارت و تمول کا حساب کرتے تھے، انہی پیمانوں سے

مقامات ومراتب انسانیہ ناپنا چاہتے تھے حالانکہ اس کے لئے دوسرے پیمانوں کی ضرورت تھی۔ اس حقیقت ناشناسی نے انسانوں کے ایک گروہ کو کفر میں مبتلا کر دیا۔ ارشاد الٰہی ہے۔

ان کے پاس عقل ہے مگر اس سے سمجھ بوجھ کا کام نہیں لیتے۔ آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ وہ (عقل وحواس کا استعمال کھو کر) چارپایوں کی طرح ہو گئے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ کھوئے ہوئے ایسے ہی لوگ ہیں جو یک قلم غفلت میں ڈوب گئے ہیں۔ (۱۷۹-۷)

اگرچہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ نوعی، خلقی اور اپنی اصل کے اعتبار سے تمام انسان برابر ہیں۔

"اے مجمع انسانی ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، پھر ایسا کیا کہ تمہیں مختلف شاخوں اور قبیلوں کی صورت دے دی اور تم بہت سے گروہ ہوں اور ملکوں میں بکھر گئے لیکن شاخوں اور قبیلوں کا یہ اختلاف صرف اس لئے ہوا تاکہ ایک گروہ سے دوسرا گروہ پہچانا جا سکے۔" (۱۳ - ۴۹)

اور اس حقیقت کو لسانِ نبوت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

تم میں سے نہ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ عجمی کو عربی پر۔ انسان تمام کے تمام آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے پس اپنی اصل وخلقت میں تمام انسان برابر ہیں۔

لیکن یہ برابری صرف اصل کے اعتبار سے تھی۔ مراتب ومدارج سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ جس طرح ایک ہی کان سے حاصل کیا جانے والا کوئلہ اور ہیرا قدر وقیمت میں یکساں نہیں ہوتے۔ ہیرا زینتِ تاج بنتا ہے یا خزانوں میں محفوظ رکھا جاتا ہے اور کوئلہ چولہے کا ایندھن بنتا ہے۔ اس طرح نیک وبد اور مومن کافر اپنے مرتبہ ومقام میں برابر نہیں ہو سکتے۔ سورۂ فاطر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

"اور برابر نہیں اندھا اور دیکھتا، اور نہ اندھیرا اور اجالا اور نہ سایہ اور لو اور برابر نہیں جیتے اور مردے۔"

اگرچہ اللہ تعالیٰ شکم مادر میں خلقت انسانیہ کی پہلی منزل یعنی استقرار نطفہ سے لے کر آخری درجۂ تکمیل اور مرتبۂ احسن تقویم تک ہر روح کو ایک ہی طریق تخلیق وتربیت سے نشوونما دیتا ہے لیکن جب روح اس دنیا میں آتی ہے اور انسان بلوغ عقل وشعور کی منزل میں پہنچتا ہے تو ایک گروہ پر اس کی عقل ومشاہدہ یہ حقیقت منکشف کرتا ہے کہ جس طرح تخلیق کی پہلی منزل میں جبکہ انسان

محض مجبور و بے بس تھا اور اسے ارادہ و اختیار کی کوئی قوت حاصل نہ تھی اللہ تعالیٰ کی ہدایت الوہیت کی ضرورت تھی اسی طرح دوسری منزل میں بھی یعنی درجہ انسانیت کی تعمیر و تکمیل کے لئے بھی ہدایت علم و وحی کی ضرورت باقی ہے۔ یہی وہ گروہ ہوتا ہے جسے "وعلّم آدم الاسماء کلها" سے ایک حصہ ملتا ہے۔

دوسرا گروہ علم سے تہی دامن اور مطالعہ و مشاہدہ کی قوت سے عاری ہوتا ہے اور اگرچہ دونوں گروہ ایک ہی شجر انسانیت کی دو شاخیں ہوتی ہیں لیکن باعتبار مراتب دونوں میں زمین و آسمان کا بُعد ہوتا ہے۔ انہی دونوں گروہوں کے بارے میں قرآن میں آیا ہے۔

پھر کیا صاحبان علم اور گم گشتگان جہل دونوں کا ایک ہی درجہ ہے؟ (۹- ۳۹)

انسانوں کی تقسیم باعتبار مراتب

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس بنیاد پر انسانوں کے درمیان خطِ فرق و امتیاز کھینچا ہے وہ یہی ہے اور سب سے پہلے انسان کو جن دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ وہ یہی دونوں گروہ ہیں گویا کہ یہاں سے شجر انسانیہ میں شاخیں پھوٹتی ہیں۔

۱- عالم یعنی علم و بصیرت رکھنے والے۔

۲- گم گشتگان جہل یعنی علم و بصیرت سے تہی دامن

پہلی شاخ (علم و بصیرت) اپنے اندر قوت بالیدگی اور نشوونما کی صلاحیت رکھتی ہے اس میں مزید شاخیں پھوٹتی ہیں۔ لیکن دوسری شاخ (جہل) اپنے اندر نشوونما کی معمولی قوت اور صلاحیت بھی نہیں رکھتی اس کی بالیدگی ختم اور نشوونما رک جاتی ہے۔

پہلی شاخ میں نشوونما کی استعداد ہوتی ہے۔ اس میں سے دو شاخیں پھوٹتی ہیں۔ پہلی شاخ سے تعلق رکھنے والے علمائے حق کہلاتے ہیں اور دوسری شاخ سے تعلق رکھنے والے علماء سوء کے زمرہ میں داخل ہوتے ہیں۔

علمائے حق

یہ گروہ حق کو صرف پہچان ہی نہیں لیتا بلکہ حق کی ایک جھلک ہی اسے اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے کہ پھر دنیا کی تمام رنگینیاں اس کو پھیکی نظر آنے لگتی ہیں اس کے نظارے کے بعد دنیا کا کوئی حسن اس کی نگاہوں میں نہیں جچتا۔ وہ جہاں بھی ہو جس حال میں بھی ہو، وہی ایک خیال وہی ایک دُھن اس پر سوار رہتی ہے نہ فراعنۂ وقت کی قہرمانیاں اس کے دل میں ادنیٰ شائبہ خوف و خطر پیدا کر سکتی ہیں نہ زمانے کی زلیخاؤں کا حسن اس کو اپنی طرف متوجہ کر سکتی ہیں۔ یہ جس لیلائے حسن سے رشتۂ

عشق جوڑتے ہیں، پھر دنیا کے لاکھوں مصائب اس رشتہ کے انقطاع کے لئے ناکافی ہوتے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پھر اس راہ کے مصائب و شدائد اس کے لئے مصائب و شدائد ہی نہیں رہتے۔ یہ گروہ علمائے حق کا گروہ کہلاتا ہے۔

علمائے سوء

دوسرا گروہ بھی اس لیلائے حق کے عشق کا دعویٰ کرتا ہے لیکن راہ عشق میں مصائب کے پہلے ہی حملے میں اس کی تمام عشق بازیاں ختم ہو جاتی ہیں لیکن اس کا نفس خادع اس کو اس وہم عشق و محبت میں مبتلا رکھتا ہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی وہ اظہار عشق سے باز نہیں رہتا لیکن اس کا دل صرف دنیا کا عاشق اور نفس کی لذتوں کا گرویدہ ہوتا ہے یا اس پر ایسے دبیز پردے پڑے ہوتے ہیں کہ نگاہیں چُوک جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نفس کی خواہشات اس پر ایسی غالب آچکی ہوتی ہیں کہ حق پرستی کی پرخطر راہ پر دو قدم بھی نہیں چل سکتا۔

"پس افسوس ان پر جن کا شیوہ یہ ہے کہ خود اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں (یعنی اپنی رایوں اور خواہشوں کے مطابق احکام شرع کی کتابیں بناتے ہیں) پھر لوگوں سے کہتے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے ہے (یعنی اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ کتاب الٰہی کے احکام ہیں) اور یہ سب کچھ اس لئے کرتے ہیں تاکہ اس کے بدلے میں ایک حقیر سی قیمت دنیوی فائدہ کی حاصل کرلیں۔" (۷۹ - ۲)

جس طرح شجر انسانیت کی پہلی دو شاخوں میں شاخ جہل اپنے اندر نشو و نما کی صلاحیت نہ رکھتی تھی اور بالیدگی کی ہر قوت مفقود تھی۔ اسی طرح اہل علم کا دوسرا گروہ یعنی علمائے سوء بھی اپنی بقا کے لئے کوئی بنیاد نہیں رکھتے۔ انقلابات دہر کا دھارا ہمیشہ ان کو خس و خاشاک کی طرح بہاتا رہا ہے اس کے برعکس علمائے حق کی زبان سے جو کلمہ بھی بلند ہوا اسے ثبات و قرار نصیب ہوا۔

"حق و باطل کے معاملے کی مثال ایسی ہی سمجھو جالاللہ بیان کرتا ہے۔ پس (میل کچیل کا) جھاگ (جو کسی کام کا نہ تھا) رائیگاں گیا اور جس چیز میں انسان کے لئے نفع تھا وہ زمین میں رہ گئی۔" (۱۷ - ۱۳)

اور حق و باطل کی یہی وہ حقیقت ہے، جسے قرآن نے کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ "کا نام دیا ہے۔ (۲۶-۱۴)
پس جو کوئی علمائے حق کا دامن پکڑتا ہے اور کلمۂ حق کا ساتھ دیتا ہے، اس کو دنیا میں قیام و ثبات اور آخرت میں جنات نعیم کی ابدی راحت نصیب ہوتی ہے اور جس نے حق کا دامن چھوڑ دیا اس کو خس و خاشاک کی طرح سیلاب حوادث بہائے جاتا ہے۔ اور بالفرض کبھی باطل قائم و ثابت نظر بھی آئے تو اسے ابدی قیام و ثبات کہاں نصیب۔ قرآن نے باطل اور غیر حق کی شجر خبیثہ سے کتنی اچھی مثال دی ہے،

پس جس نے بھی باطل کا سہارا پکڑا وہ جھاگ کی طرح بے نام و نشان ہوگیا۔

علمائے حق کے مختلف مراتب

پھر علمائے حق میں بھی مختلف مراتب کے لوگ ہوتے ہیں حضرت شاہ ولی اللہ تفہیمات میں اہل اللہ (علمائے حق) کے تین گروہ بتلاتے ہیں۔

پہلا گروہ:۔ جادۂ قویمہ سے ناواقف

دوسرا گروہ:۔ وہ علماء اور اہل اللہ جو اگرچہ جادۂ قویمہ سے واقف اور اس کے شناسا نہیں لیکن بالکل ناواقف بھی نہیں۔ ان کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ وہ جادۂ قویمہ سے قریب ہیں۔

تیسرا گروہ:۔ وہ علمائے حق اور اہل اللہ جو جادۂ قویمہ کے شناسا ہیں۔

اس سے قبل کہ ہم ان تینوں گروہوں کا تجزیہ کریں اور ان کے مراتب پر بحث کریں، بہتر ہوگا کہ ہمیں جادۂ قویمہ کا مطلب اور اس اصطلاح کی تعریف معلوم ہو جائے۔

جادۂ قویمہ

یہ جادہ ہے جو اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کے لئے قائم کیا ہے۔ یہ راستہ ہی اللہ کا پسندیدہ راستہ ہے۔ اس کو اختیار کرنے کے بعد ہی کوئی شخص اہل اللہ کی جماعت میں اور "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کے زمرہ میں داخل ہو سکتا ہے۔ اس جادہ کی ظاہری صورت ظاہر شریعت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) ہے اور اس کی باطنی صورت شریعت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات) کی وہ باطنی حکمتیں ہیں جو تمام شریعت کی مطلوب و مقصود ہیں اور جن تک ہر صاحب علم اور اہل حق کی نگاہ پہنچنا کچھ ضروری نہیں ہے۔ پس جس نے جس قدر حقیقت کو پہچان لیا، اسی قدر وہ جادۂ قویمہ سے قریب یا اس کا شناسا ہوگیا اور اسی قدر اس کا مرتبہ بلند ہوگیا۔

جادۂ قویمہ سے ناواقف (پہلا گروہ)

یہ اولیاء اللہ اور علمائے حق کا وہ پہلا گروہ ہے جسے اللہ تعالےٰ کے قائم کردہ اور پسندیدہ جادۂ قویمہ کا حقیقی علم نہیں ہوتا لیکن یہ پورے طریقے سے علمائے حق اور فقہائے اسلام کے متبع ہوتے ہیں اور انہیں فقہائے اسلام میں سے کسی فقیہ کے قول کو حضرت محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمودات سے ربط دینے کا ملکہ حاصل ہوتا ہے اور یہ ملکہ اللہ تعالیٰ کی ایک عنایت اور حکمت کا ایک جزو ہوتا ہے۔ البتہ وہ فقہاء میں سے کسی ایک کے قول کو دوسرے فقیہ کے قول پر ترجیح نہیں دے سکتے۔ وہ حق و باطل میں تمیز کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ لیکن مختلف اقوال حقہ کی توجیہات و مراتب تک ان کے فہم کی رسائی نہیں ہوتی ان کا ذہن عزیمت و رخصت کے فرق سے زیادہ کسی اور مقام و مرتبہ کا ادراک نہیں کر پاتا البتہ اس

فرق پر دہ سیر حاصل بحث کرسکتے ہیں۔

جادۂ قویمہ سے قریب پہنچنے والے (دوسرا گروہ) اولیاء اللہ کا یہ دوسرا گروہ ہے اگرچہ اس کو بھی اللہ تعالےٰ کے قائم کردہ اور پسندیدہ جادۂ قویمہ کا حقیقی اور باطنی علم حاصل نہیں ہوتا لیکن ان کو وہ جادۂ قویمہ ضرور نظر آتا ہے جو ظاہر شریعت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور ان کو جادۂ قویمہ سے قریب قریب ایک چیز مل جاتی ہے۔ ان کے اندر پہلے گروہ سے زیادہ تمیز حق و باطل کی صلاحیت ہوتی ہے یہ گروہ مختلف اقوال حقہ کی توجیہات میں حقیقت سے زیادہ قریب ہوتا ہے یہ گروہ مختلف اقوال میں عزیمت و رخصت کے فرق ہی کو محسوس نہیں کرلیتا بلکہ مراتب عزیمت و رخصت کی باریکیوں کا ادراک بھی کرلیتا ہے۔ اس گروہ کی اس اعتبار سے خدمات قابل قدر ہیں کہ اسے حکمت میں سے ایک بڑا حصہ ملا۔ جس سے اس نے دین میں جو چیز ترجیح کے قابل تھی، اس کو ترجیح دیکر دین کی مدافعت میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔

جادۂ قویمہ کے شناسا (تیسرا گروہ) اہل اللہ اور علمائے حق کا تیسرا گروہ وہ ہوتا ہے، جسے حکمت الٰہیہ سے وافر حصہ ملتا ہے۔ اس کے اندر اقوال و احکام کی جزوی تطبیقات کی صلاحیت بھی ہوتی ہے اور شریعت کے ظاہر و باطن کا علم بھی ہوتا ہے۔ اس گروہ پر دین کی پوشیدہ حکمتیں بھی منکشف ہوتی ہیں اور وہ شریعت کے اسرار سے بھی واقف ہوتا ہے اس کی صلاحیت صرف مختلف اقوال اور شریعت کے ظاہر و باطن کی تطبیق تک ہی محدود نہیں ہوتی بلکہ وہ ہر زمانے میں شریعت کے احکام کی تطبیق اور انہیں نافذ کرنے کی اعلیٰ صلاحیت رکھتا ہے اور اپنے زمانے اور وقت کے مسائل پر اپنے کلام سے شریعت کی برتری اور عظمت ثابت کردیتا ہے اس کی وجہ سے دین کی کھوئی ہوئی قدر و عظمت واپس آجاتی ہے اور شریعت کی گرتی ہوئی دیوار کے لئے اس کا وجود سہارا بن جاتا ہے۔ یہ گروہ صرف مقام عزیمت سے واقف ہی نہیں ہوتا مقام عزیمت پر خود فائز بھی ہوتا ہے۔ وہ صرف یہی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ راستہ جادۂ قویمہ ہے بلکہ اس کی حکمتوں اور مصلحتوں سے بھی خوب واقف ہوتا ہے۔ علم حق کے بیان میں اس حقیقت کو علم المصالح والمقاصد اور علم الشرائع والحدود کہتے ہیں۔ علمائے حق کے اس تیسرے گروہ سے تعلق رکھنے والے ان علوم کو علیحدہ علیحدہ اور صاف صاف دیکھ سکتے ہیں، ان میں تمیز کرسکتے ہیں، ان کو خوب اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اور ان کے بیان و تشریح، استنباط مسائل اور استخراج اصول

وفروع میں علما کا کوئی طبقہ ان پر سبقت اور بازی نہیں لے جا سکتا۔

مفہمین ــ لیکن علمائے حق کے اس مرتبہ پر آکر انسانیت کی ترقی رک نہیں جاتی بلکہ اس مقام پر پہنچکر ایک اور بلند مقام نظر آنے لگتا ہے یہ مفہمین کا مقام ہوتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ (حصہ اول) کے باب "تحقیقت نبوت" میں فرماتے ہیں:۔

> "واضح رہے کہ اجتماع انسانی میں بہترین طبقہ ان لوگوں کا ہوتا ہے، جنہیں اصطلاح میں مفہمین کہتے ہیں۔ یہ لوگ اہل اصطلاح ہوتے ہیں۔ ان کی ملکیت بہت بلند درجے کی ہوتی ہے اور ان کے لئے ممکن ہوتا ہے کہ سچے داعیے کے ساتھ اچھا نظام قائم کرنے کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ ان پر ملاء اعلےٰ سے علوم واحوال نازل ہوتے ہیں۔"

اس کے بعد حضرت شاہ صاحب نے مفہمین کے خلقی وطبعی خصائص اور مرتبہ ایمانی وعلمی پر روشنی ڈالی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

مفہم کی سیرت یہ ہوتی ہے کہ وہ معتدل مزاج ہوتا ہے اس کے جسم کی ساخت اور اس کے اخلاق مناسب ہوتے ہیں؛ اس میں نہ ایسا عدم استقلال ہوتا ہے کہ اپنی ذاتی خواہشوں میں پھنسا رہے نہ ضرورت سے زیادہ تیز فہمی ہوتی ہے کہ اصولی باتوں میں پھنس جائے اور جزوی مسائل حل کرنے کی طرف توجہ نہ دے سکے اور اعمال وافعال کی ارواح کی طرف اتنا متوجہ ہو جائے کہ ان کی اشکال واشباح کی طرف توجہ نہ دے سکے؛ اس میں نہ اتنی کندذہنی ہوتی ہے کہ وہ صرف چھوٹی چھوٹی باتوں ہی کو سمجھ سکے اور اصولی اور کلی باتوں کی سمجھ اس کی طاقت سے باہر ہو اور نہ اعمال وافعال کی اشکال واشباح میں اتنا پھنسا رہتا ہے کہ ان کی ارواح کی طرف دھیان نہ دے سکے۔ وہ صحیح طریقہ ہائے کار پر سب لوگوں سے زیادہ عمل پیرا ہوتا ہے، وہ عبادات میں اچھا نمونہ پیش کرتا ہے۔ وہ لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں کبھی انصاف کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ وہ اجتماعی ضرورتوں کو پورا کرنے میں پورے شغف کا اظہار کرتا ہے۔ وہ نفع عام کی طرف راغب ہوتا ہے وہ کسی کو تکلیف پہنچاتا ہے تو بالعرض ہوتی ہے جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ یا تو نفع عام تکلیف پہنچانے ہی پر موقوف ہوتا ہے یا نفع عام کے کام کا نتیجہ ہی یہ ہوتا ہے کہ خواہ مخواہ کسی کو تکلیف پہنچے وہ ہر وقت عالم غیب کی طرف توجہ رکھتا ہے اور اس میلان کا اثر اس کی بول چال، چہرے مہرے غرض ہر بات سے ظاہر ہوتا ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ اسے غیب سے مدد مل رہی ہے تھوڑی سی ریاضت کرنے سے اس پر ان امور کا انکشاف ہونے لگتا ہے

جو دوسروں پر قرب و سکینت سے بھی نہیں کھلتے۔

مفہمین کی قسمیں حضرت شاہ صاحب نے مفہم کی کئی قسمیں گنائی ہیں اور بتایا ہے کہ ہر مفہم کی استعداد مختلف ہوتی ہے اس لئے کہ ہر مفہم کو کتاب و حکمت اور علوم آلیہ میں سے جدا جدا چیزیں ملتی ہیں اور اس اعتبار سے ان کے نام اور کام یہ ہیں۔

۱- جس مفہم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اکثر حالات میں عبادات کے ذریعے تہذیب نفس کے علوم وغیرہ ملتے ہیں۔ وہ کامل ہوتا ہے۔ اور جس کا اکثر حال یہ ہو کہ اسے اخلاق فاضلہ اور تدبیر منزلی کے علوم وغیرہ ملے ہوں وہ حکیم کہلاتا ہے۔

۲- جسے اکثر حالات میں سیاسیات کلی کے اصول سمجھائے جاتے ہیں اور جسے لوگوں میں عدل قائم کرنے اور ان میں سے ظلم و جور دور کرنے کی توفیق ملے وہ اصطلاح میں خلیفہ کہلاتا ہے۔

۳- اور جس کا ملاء اعلیٰ سے قرب ہو اور ملاء اعلیٰ کے فرشتے اسے سکھائیں، اس سے گفتگو کریں، اسے نظر آئیں اور جس سے طرح طرح کی کرامتیں ظاہر ہوں وہ مؤید بروح القدس ہوتا ہے۔

جس کے دل اور زبان پر نور ہو اور جس کے پاس بیٹھنے اور جس کی نصیحت سننے سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہو اور جس سے اس کے دوستوں کو سکینہ اور نور حاصل ہوتا ہو اور اس کے ذریعے وہ کمالات کے مرتبے حاصل کر سکیں اور وہ لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لئے کوشاں ہو وہ ہادی و مزکی کہلاتا ہے۔

جس کے علم اور معرفت کا بیشتر حصہ ملت کے اصول و مصالح پر مشتمل ہو اور ان کے منہدم حصے کو قائم کرنے میں کوشاں ہو، وہ امام کہلاتا ہے جس کے دل میں یہ بات ڈالی جائے کہ وہ لوگوں کو خبر دے کہ ان کے لئے ایک بہت بڑی مصیبت دنیا میں آنے والی ہے یا وہ بھانپ لے کہ ایک قوم کو رحمت کا غیر مستحق قرار دے دیا گیا ہے اور وہ اس کی خبر اس کو دے دے۔ یا وہ کبھی کبھی اپنے نفس سے مجرد ہو کر معرفت حاصل کرے کہ قبر اور حشر میں کیا باتیں پیش آنے والی ہیں اور ان سے لوگوں کو آگاہ کرے وہ اسے منذر کہتے ہیں

مقام نبوت لیکن مفہم کا مقام انسانیت کا آخری مقام نہیں۔ اس سے اوپر ایک اور مقام ہوتا ہے جسے مقام نبوت کہتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں جب حکمت الٰہی اس کی مقتضی ہوتی ہے کہ مفہمین میں سے مخلوق کے لئے ایک شخص مبعوث کرے اور اسے لوگوں کے لئے گمراہی کے اندھیروں سے ہدایت کے نور کی طرف آنے کا سبب بنائے اس صورت میں اللہ اپنے بندوں پر فرض کر دیتا ہے کہ وہ دل و جان سے اس کی اطاعت کریں۔ ملاء اعلیٰ میں ان کے بارے میں طے ہو جاتا ہے جو اس کی فرمانبرداری کریں گے اور اس کے ساتھ شامل ہوں گے، اور جو اس کی مخالفت کریں گے، ان کے لئے لعنت مقدر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ لوگوں کو اس کی خبر دیتا ہے اور اپنی طاعت ان پر لازم کرتا ہے۔ اس شخص کو نبی کہتے ہیں۔

مقامِ ختمِ نبوت اس مقام - و مقامِ نبوت سے اوپر ایک اور مقام آتا ہے۔ یہ مقام جامع جمیع خصوصیات و فضائل مختلفہ ہوتا ہے، جو انسانیت کا نقطۂ کمال اور منتہائے عروج کہلاتا ہے۔ اصطلاح میں اس مقام کو "مقامِ ختمِ نبوت" کہتے ہیں۔ اگر کسی چیز کو اس مقام سے ناپسندیدہ نظر سے دیکھ لیا جائے تو اس کائنات کے ذرے ذرے پر یہ فرض ہو جاتا ہے کہ اس سے نفرت کرے اور اگر کسی چیز کی طرف وہ "فائز المقام" رخ پھیرے تو ساری انسانیت پر فرض ہو جاتا ہے کہ اس کی طرف سے نہ صرف اپنے رخوں کو موڑ لے بلکہ دلوں کو پھیر لے۔ یہ مقام اللہ پر ایمان اور اس کی محبت کی کسوٹی ہوتا ہے۔ جب تک کوئی ایمان اور محبت الٰہی کا دعویدار اس شخص کی ختمِ نبوت کی محبت اور اس کی پیروی کو اپنی زندگی نہیں قرار دے لیتا، اس وقت تک اس کا ایمان مقبولِ بارگاہ نہیں ہوتا۔ لیکن جب کوئی شخص اس "مقامِ ختمِ نبوت" کی اتباع کو اپنی زندگی کا وظیفہ اور شعار بنا لیتا ہے تو پھر اس کا ایمان ہی مقبولِ بارگاہ نہیں ہوتا بلکہ وہ خود بھی محبوبِ بارگاہ بن جاتا ہے۔ اور "السابقون الاولون" اور "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ" کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق آسمان کی بلندیوں سے صاحبِ عظمت و اجلال نے اعلان فرمادیا کہ آسمان و زمین اور لوح و قلم کا مالک اور اس کی فرمانبردار مخلوق (فرشتے) اس پر سلامتی بھیجتے ہیں پس ہر مسلمان اور مومن پر فرض ہے کہ وہ اس وجودِ قدسی پہ صلوٰۃ کے تحفے اور سلام کے نذرانے پیش کرے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک (بشمولہ) جو انبیاء تشریف لائے ان کی دعوتیں محدود تھیں لہٰذا ضرورت تھی کہ ہدایتِ عظمیٰ کے مقام جامع جمیع حسنات و فضائل پر کس کو فائز کیا جائے اور "ختمِ نبوت" کا تاج اس کے سر پر رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے خاندان بنو ہاشم کے ایک دُرِّ یتیم کو سرفرازی بخشی اور "مقامِ ختمِ نبوت" پہ فائز کیا۔ اور وہ تمام خوبیاں اور صفات و فضائل اور وہ تمام صلاحیتیں جو انبیاء سابقین میں جدا جدا تھیں، شخصیتِ واحدہ میں جمع فرما دیں۔

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

جس قدر بھی احوال و مراتبِ انسانیہ ہو سکتے تھے، سب اس مقام کے نیچے آ گئے۔ اس سے اوپر اور اس کے بعد کوئی مقامِ فضل و کمال نہیں ہے۔ اور اگرچہ یہ مقامِ ختمِ نبوت اس مقام "الناس کلہم بنو آدم و آدم من تراب" ہی کا منتہائے عروج اور نقطۂ کمال ہے اور اگرچہ اصل کے اعتبار سے

سب انسان برابر قرار دیئے گئے۔ اور خود فائز "مقام ختم نبوت" سے اعلان کرادیا گیا۔ انما انا بشر مثلکم، اور صرف انسان ہونے کی حیثیت سے کسی پر کسی کو کوئی فضیلت نہ دی گئی اور اگرچہ اپنی اصل کے اعتبار سے تمام حاملینِ مقامات واحوال مختلفہ ایک ہی شجر انسانیہ کی شاخیں ہیں لیکن احوال و مراتب کے اعتبار سے ایک مقام سے دوسرے مقام میں اتنی دوری اور اتنا بُعد ہے کہ نہ اس کی پیمائش کی جاسکتی ہے نہ فاصلہ ناپا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے انسانیت کے ابتدائی دو مقامات واحوال (مقام علم و جہل) کا فرق بتایا ہے اور کہا ہے کہ ایک مقام کو دوسرے سے کوئی نسبت ہی نہیں، حالانکہ یہ علاقہ ونسبت اور برابری انسانوں کے عام طبقہ علماء اور جہلا میں تھی ۔" لایستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون" پس غور کیجیے کہ جب عام طبقہ علماء اور جہلا میں کوئی برابری نہیں کوئی مساوات نہیں یہ دونوں طبقے اور مقامات قریب ہوتے ہوئے بھی اتنے دور ہوگئے کہ ان کے فاصلے کی پیمائش نہیں کی جاسکتی تو کیوں کر ممکن ہوسکتا ہے کہ انسانیت کا نقطۂ آغاز (مقام الناس) اور نقطۂ کمال (مقام ختمِ نبوت) باعتبار حال و مقام کوئی علاقہ و نسبت ہو اور اس کے درمیانی فاصلے کی دُوری ناپی جاسکے۔

اگر کوئلے اور ہیرے کو آپس میں کوئی نسبت ہے تو صرف یہ ہے کہ ایک ہی کان سے نکلے ہیں۔ لیکن اس کے بعد ہم ہیرے کے مقام و مرتبے سے کوئلے کو نسبت نہیں دے سکتے۔ اسی طرح اگرچہ ایک عامی اور فائز مقام ختم نبوت کو بحیثیت بشر یکساں اور مساوی قرار دینا اگرچہ غلط نہیں (قل انما انا بشر مثلکم) لیکن فرق مرتبہ و حال کو نظرانداز کردینا دنیا کی عظیم ترین گمراہیوں میں سے ایک گمراہی ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے حضرت محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے مقام کی طرف حکیمانہ انداز میں اشارہ کیا ہے فرماتے ہیں۔

واعظم الانبیاء شاناً من لہ نوع آخر من البعثۃ ایضاً وذلک ان یکون مراد اللہ تعالیٰ فیہ ان یکون سبباً لخروج الناس من الظلمٰت الی النور وان یکون قومہ خیر امۃٍ اخرجت للناس فیکون بعثہ یتناول بعثاً آخر۔

والی الاولی وقعت الاشارۃ فی قولہ تعالیٰ ھوالذی بعث فی الاُمیین رسولاً منھم الایۃ والی الثانی فی قولہ تعالیٰ کنتم خیر اُمۃ۔